قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج

از

(جناب ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فارق استاذ ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۲)

(ز) اپنے ہم پیشہ یعنی قاضیوں کو یتیموں اور نابالغوں کی جائداد پر دست درازی سے روکنے کے لئے سفارش :-

آپ کا یہ فرمانا کہ جب کسی لاوارث، یا خلیفہ یا ہاشمی خاندان کے فرد کی جائداد قاضی کے زیر انتظام کی جائے تو اس کی تنخواہ جائداد سے دی جائے تو میری رائے اس سے مختلف ہے، قاضی کی تنخواہ سرکاری خزانہ سے ملنا چاہئے تاکہ وہ مفوضہ جائداد پر ہاتھ صاف نہ کر سکے اور خود کو عوام کا خادم سمجھے اور چھوٹے بڑے، غریب، امیر سب کے حقوق کی حفاظت کرے۔ مفوضہ جائداد سے تنخواہ لینے کی اگر اجازت دے دی جائے تو اس بات کا قوی احتمال ہے کہ قاضی اس سے ناجائز فوائد حاصل کرے اور تنخواہ کی آڑ سے اس کو خورد برد کر جائے۔ ہاں وہ لوگ جو براہ راست جائداد کے منتظم مقرر ہوں ان کو جائداد کی آمد سے اتنی تنخواہ دی جا سکتی ہے جس سے ان کی محنت کا معاوضہ بھی ادا ہو جائے اور جائداد کے وارثوں کو بھی نقصان نہ پہنچے۔ میرا خیال ہے کہ بہت سے قاضی جائداد کے معاملہ میں اندھا دھند کام کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ یتیم قلاش ہو جاتے یا وارث تباہ ہو جائیں[۱]

(ح) مصنف کو قیدیوں کے مقہور و معتوب طبقہ کی بہبودی بھی عزیز تھی، ان کی دیکھ بھال اور جرائم کے سدباب کے لئے مفید مشورے دئے ہیں :-

---

[۱] کتاب الخراج ص ۱۸۶

امیر المؤمنین قیدیوں کی روزانہ خوراک کا اندازہ کرائیے اور اس کے بموجب ان کا مشاہرہ مقرر کیجئے، یہ مشاہرہ روپئے کی شکل میں ہو کیوں کہ اگر آپ نے خوراک مقرر کی تو قید خانہ کے حاکم، ملازم اور سپاہی اس کو اڑا جائیں گے۔ ایک راستباز افسر مقرر کیجئے جو ان قیدیوں کے نام جن کا مشاہرہ مقرر کیا جائے ایک رجسٹر میں درج کرے، مہینہ ختم ہونے پر سب قیدیوں کو جمع کرے اور اپنے ہاتھ سے ہر قیدی کو مشاہرہ دے، اگر قیدی رہا کر دیا جائے تو اس کا مشاہرہ سرکار کو لوٹا دے . . . . . اس طرح آپ قیدیوں کو بیڑیوں میں قید خانہ سے باہر جانے اور بھیک مانگنے سے بے نیاز کر دیجئے، یہ بات نہایت نامناسب ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جس سے گناہ اور جرم سرزد ہوتے ہوں، بیڑیوں میں بھیک مانگنے باہر نکلیں، میں سمجھتا ہوں کہ غیر مسلم قومیں بھی مسلمان قیدیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرتیں، یہ قیدی بھوک سے بے تاب ہو کر باہر جاتے ہیں، کبھی ان کو خوراک مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، آپ ان کی خبر گیری فرمائیے اور میرے مشورہ کے مطابق ان کا مشاہرہ مقرر کیجئے۔ جو قیدی مرجائے اور اس کا کوئی سر دھرا یا رشتہ دار نہ ہو تو سرکاری خزانہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے، مجھے معلوم ہوا ہے اور بڑے معتبر ذریعہ سے کہ جب کوئی پردیسی قیدی مرجاتا ہے تو قید میں ایک یا دو دن پڑا رہتا ہے تب والی سے اس کے دفن کی اجازت ملتی ہے اور دوسرے قیدی اپنے پاس سے چندہ کر کے اس کی لاش اٹھوانے کا انتظام کرتے ہیں اور وہ بے چارہ بغیر غسل، کفن اور نماز کے داب دیا جاتا ہے، یہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے کتنی افسوسناک بات ہے! اگر آپ۔ امیر المؤمنین۔ قوانین کے ٹھیک ٹھیک نافذ کرنے کا حکم دے دیں تو یقیناً قیدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی، جرائم پیشہ لوگ ڈر جائیں گے اور بڑے ڈھنگ چھوڑ دیں گے۔ قیدیوں کے بڑھنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے جرموں کی تحقیق نہیں کی جاتی، اور بغیر تحقیق کے قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔ آپ اپنے تمام حاکموں کو حکم دیجئے کہ قیدیوں کے جرم کی ہمیشہ تحقیق کیا کریں جو معمولی سزا کا مستحق ہو اس کو سزا دے کر چھوڑ دیا جائے،

جس کی فرد جرم کا صحیح علم نہ ہو سکے اس کو رہا کر دیا جائے، حاکموں کو تاکید کر دیجئے کہ سزا دینے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں، اور ایسی سزا نہ دیں جو جرم سے زیادہ ہو مجھے معلوم ہوا ہے تہمت یا معمولی جرموں کی سزا میں ایک شخص کو دو سو یا تین سو یا کم و بیش کوڑے مارے جاتے ہیں، یہ قانون کے منافی ہے۔

۴۔ ساری کتاب میں صرف ایک مسئلہ میں مصنف نے اپنے اجتہاد کی پرزور حمایت کی ہے، اس کے علاوہ دو چار مقام ایسے بھی آئے ہیں جہاں انھوں نے قیاس کو چھوڑ کر کسی مصلحت سے "استحسان" کا دامن تھاما ہے۔ وہ ایک مسئلہ جس میں مصنف نے فعل صحابی (حضرت عمرؓ) کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد استعمال کیا، مصنف کی معاملہ فہمی اور روشن دماغی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ حضرت عمرؓ کے وقت میں عراق کی مال گذاری کا بندوبست اس طرح تھا کہ وہاں کی ساری اراضی کو ناپ لیا گیا تھا اور ہر جریب زمین پر جاہے وہ مزروعہ ہو یا غیر مزروعہ، خواہ اس میں عملاً کاشت ہوتی ہو یا نہ ہو، خواہ اس کو کنوئیں سے سینچا جاتا ہو یا نہر سے ایک مقررہ لگان وصول کیا جاتا تھا، مثلاً گیہوں اور جو کی ایک جریب پر لگان کی شرح ایک درہم اور ایک قفیز تھی، تل کی ایک جریب پر پانچ درہم، انگور کی ایک جریب پر دس درہم، روئی کی ایک جریب پر پانچ درہم، ترکاری کی ایک جریب پر تین درہم۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں ایسی زمین جو زراعت کے لائق نہ ہو یا جس میں عملاً کاشت نہ ہوتی ہو کم تھی، مگر قاضی ابو یوسف کے زمانہ میں کاشتکاروں کی مسلسل بدحالی، بہت سے کاشتکاروں کے مسلمان ہونے اور دوسرے پیشے اختیار کرنے، نیز دیگر اسباب کی بنا پر تقریباً سو برس سے ایسی اراضی بہت بڑھ گئی تھی جس میں کاشت نہیں ہوتی تھی، اس لئے حالات کا تقاضہ تھا کہ مال گذاری کے نظام میں ترمیم کی جائے۔ قاضی صاحب نے پہلے بڑے بڑے ماہرین مال گذاری سے مشورہ کیا مگر کسی نے ایسا حل تجویز نہیں کیا جس سے کاشتکاروں کا بوجھ ہلکا ہوتا، پھر انھوں نے بڑے بڑے کاشتکاروں کی ایک کانفرنس منعقد کی، سب

نے یک زبان ہو کر وہ اسباب جو اوپر بیان ہوئے پیش کئے اور کہا کہ ہمارے پاس نہ اتنا پیسہ ہے اور نہ اتنے آدمی کہ ہم اس زمین کو جو سو برس سے معطل پڑی ہے کاشت کے لایق بنائیں، یہ کام آہستہ آہستہ ہونے کا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہماری مالی حالت بہتر ہو اور وہ اس طرح کہ ہم سے صرف اتنی اراضی کا لگان لیا جائے جو بالفعل زیر کاشت ہو اور لگان اتنا ہو کہ ہم آسانی سے ادا کر سکیں اور کچھ پس انداز بھی کر لیں جس سے معطل اراضی کو لایق کاشت بنایا جا سکے۔

قاضی صاحب نے کسانوں کی بہتری اور زراعت کی توسیع کے لئے مُقاسمت یعنی بٹائی کا اصول مقرر کیا، چنانچہ خلیفہ سے سفارش کرتے ہیں:-

امیر المؤمنین خدا آپ کو سلامت رکھے، میری رائے ہے کہ سواد (عراق کا دیہاتی علاقہ) کے جو کاشتکار گیہوں اور جَو کی کاشت کریں اور سینچائی دریا یا نہروں سے کریں، ان سے پیداوار کا پانچواں حصہ لیا جائے، اور اگر سینچائی کنوؤں سے کریں تو پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے پھلوں، ترکاریوں اور انگور کی پیداوار کا تیسرا حصہ لیا جائے، گرمی کے غلوں کا چوتھائی حصہ۔ سرکاری محصل یہ حصہ اندازہ سے نہ لیں، بلکہ ساری پیداوار تاجروں کے ہاتھ بیچی جائے اور جو قیمت وصول ہو اس سے سرکاری حصہ نکال لیا جائے، یا سارے غلہ کی انصاف سے قیمت لگائی جائے جس میں نہ کاشتکار پر ظلم ہو نہ سرکاری آمد کو ضرر، اور ان سے بقدر سرکاری حصہ کے قیمت وصول کر لی جائے ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت اہل خراج کے لئے زیادہ آسان ہو اختیار کی جائے۔[1]

۵- جزیہ کے باب میں مصنف نے "حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ" میں "وَهُمْ صَاغِرُوْنَ" کا مفہوم صراحۃً یا کنایۃً وہ نہیں بتایا جو بعد کے فقہاء اور قاضیوں نے پیش کیا اور جس کی بدولت جزیہ کا تصور اور ادائگی غیر مسلموں کے لئے ایک لعنت عظمیٰ اور نفرت انگیز توہین بن گئی۔

۶- مصنف نے ذمیوں کے ساتھ حکومت کی پالیسی کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے اس

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۔[2] کتاب الخراج صفحہ

منشور (Edict of Umar) کا بھی ذکر نہیں کیا جس کو بعد کے فقہاء بڑے شوق سے نقل کرتے ہیں اور جس کی رو سے ذمیوں پر بہت سی پابندیاں اور توہین آمیز قیود عائد کی گئی تھیں، مصنف نے صرف چند پابندیوں کا جو زیادہ مکروہ نہیں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ نے عائد کی تھیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ قاضی صاحب جو بلا استثناء اپنے ہر قول کی تائید میں کم از کم ایک ورنہ دو دو، تین تین، چار چار روایتیں پیش کرتے ہیں، ان پابندیوں سے متعلق حضرت عمرؓ کی کوئی حدیث نہیں پیش کر سکے، جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ اس باب میں حضرت عمرؓ کی کوئی معتبر حدیث ان کو نہیں ملی، اور انھوں نے جو کہا وہ سنی سنائی بات تھی، اس کے علاوہ خالد بن ولید نے عراق کے نصاریٰ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں گو بعض پابندیوں کا ذکر ہے تاہم اس نوع کی پابندیوں کا مطلق ذکر نہیں جو خلیفۂ ثانی کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ خالد بن ولید (م ۲۱ھ) کی اہلِ حیرہ کے ساتھ صلح کی مختصر نقل ملاحظہ ہو:-

"میں نے ان پر شرط لگائی ہے کہ اسلامی حکومت کی مخالفت نہیں کریں گے، اور کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے خلاف مدد نہیں دیں گے، نہ غیر مسلموں کو حکومت کی عسکری کمزوریوں یا رازوں سے مطلع کریں گے، اگر انھوں نے ان امور کی خلاف ورزی کی تو اسلامی حکومت کی حفاظت اور امان سے باہر ہو جائیں گے اور اگر انھوں نے ان امور کی پابندی کی تو ان کو وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو ایک معاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی جان و مال کی حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی . . . . ان کا جو بوڑھا کام کاج سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت نازل ہو اور یا وہ اتنا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دیں تو اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا اور اس کو اور اس کے عیال کو سرکاری خزانہ سے مالی مدد دی جائے گی جب تک وہ اسلامی حکومت میں مقیم رہے گا، اور اگر اس کا کوئی غلام مسلمان ہو جائے تو اس کو مسلمانوں کے بازار میں زیادہ سے زیادہ قیمت پر بغیر کسی عجلت کے بیچا جائے گا اور اس کی قیمت اس کے مالک کو دے دی جائے گی۔ اہلِ حیرہ کو اس بات کا حق

ہے کہ جو لباس چاہیں پہنیں۔ بشرطیکہ وہ لباس جنگی نہ ہو اور نہ وہ مسلمانوں کے لباس سے مشابہت کی کوشش کریں، جو شخص (ذمی) فوجی لباس میں دیکھا جائے گا اس سے اس بارے میں سوالات کئے جائیں گے اگر اس کا جواب اطمینان بخش ہوا تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ اس کو اتنی سزا دی جائے گی جو اس کی سلاح پوشی سے تناسب رکھے گی[۱]۔۔۔"

مصنف نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے شام کی طرف پیش قدمی کے دوران میں متعدد مقاموں پر اس سے ملتے جلتے معاہدے کئے اور یہ کہ ان معاہدوں کو چاروں پہلے خلفاء نے بحال رکھا[۲]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نام نہاد منشور عمرؓ اور لباس کے سلسلہ میں جو قیود ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں بعد کے فقہاء کے اجتہادات ہیں۔

۷۔ قاضی صاحب نے جرم اور سزا پر ایک قیمتی اور مفصل فصل لکھی ہے جس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ سزا کے بارے میں بالعموم ان کا مسلک معقول اور معتدل تھا اور بعض دردناک یا مہلک سزاؤں مثلاً حدِ زنا، حدِ سرقہ، حدِ قتل کے سلسلہ میں وہ نہایت محتاط مسلک رکھتے تھے۔ اس مسلک کی بنیادی اصل یہ ہے کہ شبہ کی بنا پر سزا نہیں دینا چاہئے کیوں کہ صحابہ اور تابعین نے متفقہ کہا ہے: جہاں تک ہو سکے ان تمام الزامات میں جن میں شبہ کا پہلو نکلتا ہو سزا نہ دو، اور یہ کہ غلطی سے معافی دینا، غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

مصنف کے مسلکِ احتیاط کی ایک مثال ملاحظہ ہو: اگر کوئی شخص حاکم کے پاس آکر زنا کا اعتراف کرے تو حاکم کو چاہئے کہ اس کے اعتراف پر دھیان نہ دے حتیٰ کہ وہ چار بار اگر اس کا اقرار کرے اور حاکم ہر بار اس کو ٹال دے، جب چار بار اقرار ہو جائے تو حاکم اس کے بارے میں دریافت کرے کہ آیا وہ سنکی تو نہیں ہے، اس کی عقل میں کوئی خلل یا دماغ میں کوئی خرابی تو نہیں ہے، جب معلوم ہو جائے کہ وہ صحیح العقل ہے تب حد لگائی جائے۔ مصنف نے اپنے اس قول کی تائید میں رسول اللہؐ کی دو حدیثیں پیش کی ہیں جن کی رو سے آپ نے مُقِرِّ زنا پر سے

---

[۱] کتاب الخراج ص۱۲۴ [۲] کتاب الخراج ص۱۶۲

قرار پر اس وقت تک دھیان نہ دیا جب تک اس نے چار بار آکر اعتراف نہ کر لیا۔[1]

اس فصل میں مصنف نے بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جو منشاء قانون کے منافی معلوم ہوتی ہیں مثلاً یہ بتاتے ہوئے کہ کس کس نوع کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لکھتے ہیں: اس شخص کا بھی ہاتھ نہ کاٹا جائے جو مال غنیمت سے چرائے، یا سرکاری خمس سے چرائے، یا حمام سے چرائے یا اس دکان سے چرائے جس میں آنے کی اجازت ہو، یا سرائے سے چرائے، یا ودیعت سے چرائے، یا رہن سے چرائے، یا مستعار چیز سے چرائے۔ قاضی صاحب اس سلسلہ میں نہ تو کوئی حدیث یا اثر پیش کرتے ہیں نہ "استحسان" کی آڑ لیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ اگر خلیفہ یا حاکم کسی شخص کو چوری کرتے، شراب پیتے یا زنا کرتے دیکھے تو اس وقت تک اس کو سزا نہ دے جب تک دوسرے لوگ ان جرموں کی شہادت نہ دیں۔ اپنی اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گو قیاس اس کا مقتضی ہے کہ محض امام یا حاکم کے دیکھنے سے حد واجب ہو جائے مگر میں نے "استحسان" کی خاطر قیاس کو نظر انداز کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور دیگر صحابہ ایسے موقعوں پر "حد نافذ نہ کرتے تھے"۔[2]

اسی طرح مستامن کے ذکر میں قاضی صاحب نے جو رائے دی ہے وہ ایک ایسے ذی نظر شخص سے جس نے ساری کتاب میں راستبازی اور انصاف کا بلند معیار قایم رکھا ہے نہایت درجہ مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں: اگر ایسے غیر مسلم کا مال جو پرمٹ لے کر اسلامی حکومت میں آئے کوئی مسلمان چرالے یا مسلمان عمداً اس کا ہاتھ کاٹ لے، تو مسلمان کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ فرماتے ہیں: گو قیاس چاہتا ہے کہ مسلمان کا ہاتھ کاٹا جائے مگر ہم نے بطور

---

[1] مصنف نے خلاف معمول اس سلسلہ میں بھی کوئی روایت بطور سند نہیں پیش کی۔ ایسا شبہ ہوتا ہے کہ یہ رائے ذی اجتہادی تھی، قاضی تنوخی نے نشوار المحاضرہ، ۱/۱۲۳ میں قاضی ابو یوسف اور خلیفہ رشید کا ایک مکالمہ بیان کیا ہے جس میں خلیفہ نے اس بات کی وجہ معلوم کی ہے کہ حاکم کے مجرم کو جرم کرتے دیکھنے سے سزا کیوں لازم نہیں ہوتی اس کے جواب میں قاضی صاحب نے محض اجتہادی دلیلیں پیش کی ہیں اور یہ نہیں کہا کہ حضرت عمرؓ ابوبکرؓ یا صحابہ کا اس باب میں یہی طرز عمل تھا۔ [2] کتاب الخراج ص ۱۶۳

"استحسان" اس باب میں ان مشائخ کی رائے کو قیاس پر ترجیح دی ہے جو ہاتھ کاٹنے کے مخالف ہیں۔ اس رائے کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مسلمان مجرم کو سزا تو دی جائے گی مگر "حد سرقہ" سے کم۔[1]

۸۔ کتاب کا خاتمہ ایسے مضمون پر ہوا ہے جس کا سیاق و سباق سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کا تعلق مستقل فصلوں سے تھا جو بعد میں نکال دی گئی ہیں۔ مثلاً کتاب کی آخری فصل میں مشرکوں اور باغیوں سے جنگ کے مسائل بیان ہوئے ہیں، اس فصل کے آخر میں اچانک یہ عبارت ملتی ہے: سأَلتُ أبا حنيفة رحمه الله عن اليهودي والنصراني يموتُ ولده او القرابة كيف يُعزّى، یعنی میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ جب مسلمان کے یہودی یا نصرانی دوست کا لڑکا یا عزیز مرجائے تو اس کی تعزیت کن الفاظ میں کی جائے؟[2]

۹۔ جیسا کہ میں نے شروع مضمون میں بتایا، ۲۱۷ صفحے کی کتاب میں، ۱۵۷ احادیثِ نبوی اور ۳۶۳ صحابہ اور تابعین کی روایتیں بیان ہوئی ہیں، ان روایتوں میں سے اکثر تو مختصر ہیں مگر ایک خاصی تعداد ایسی روایتوں کی بھی ہے جو نصف نصف دو دو اور تین تین صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ روایتیں خلفائے اربعہ، اور پہلی و دوسری صدی ہجری کے صحابہ اور تابعین کی بہترین فقہی و قانونی آراء پر مشتمل ہیں۔ اور قرنِ اول و ثانی کی اسلامی دنیا کے ایک اہم حصہ کا بہترین قانونی سرمایہ ہیں۔ فقہی و قانونی اہمیت سے قطع نظر، ان روایتوں میں ایسا تاریخی مواد، خاص طور پر حضرت عمرؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور حضرت علیؓ کی سیاست و انتظام سے متعلق موجود ہے جو مطبوعہ تاریخی و ادبی کتابوں میں مفقود ہے اور جس سے ان حضرات کی حاکمانہ زندگی کے بعض گوشوں پر نئی روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] کتاب الخراج ص۱۸۹

[2] کتاب الخراج ص۲۱۶